ہر وہ فعل جو خدا کی محبت دلوں میں پیدا کرے اور اسے قریب لائے وہ حقیقی جہاد ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 15 رنومبر 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (یونس: 26، 27)

پھر فرمایا:

آج کل خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت احمدیہ ایک عالمی جہاد میں مصروف ہے جو دعوت الی اللہ کا جہاد ہے جو تمام جہادوں سے افضل اور اعلیٰ اور درحقیقت جہاد کی غایت ہے۔ جہاد کا قیام ہی اللہ کی طرف بلانے کی غرض سے ہے۔ ہر وہ فعل جو خدا تعالیٰ سے پرے دھکیلے وہ جہاد کا برعکس ہے۔ ہر وہ فعل جو خدا کی محبت دلوں میں پیدا کرے اور اسے قریب لائے وہ حقیقی جہاد ہے اس لئے تلوار کے جہاد کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ تلوار جو خدا کی محبت اور خدا کی طرف بلانے کے نام پر اٹھائی جائے اور قتل و غارت پر منتج ہو اس سے خدا تعالیٰ کی محبت تو نہیں بڑھ سکتی اس لئے اس چیز کا نام جہاد رکھنا گناہ ہے اور قرآن کریم کے واضح ارشادات سے متصادم ہے، بالکل ٹکراتا ہے قرآن کریم

کے مضامین سے۔

جہاد کی جو تعریف قرآن کریم نے مختلف جگہ کی ہے وہ بنیادی طور پر وہی ہے جو میں بیان کر رہا ہوں۔ ہر وہ چیز جو خدا کے قرب پر منتج ہو جس کے نتیجے میں خواہ نفس اللہ کے قریب آئے یا لوگ اللہ کے قریب آئیں وہ ہر کوشش جہاد ہے۔تو جہاد کا مرکزی معنی کوشش کا ہے اور اسلامی اصطلاح میں وہ کوشش جو خدا کے قریب کرے اسے جہاد کہتے ہیں اور دعوت الی اللہ کا مقصد کیا ہے۔اس کا مطلب جنگ اور فساد نہیں ہے بلکہ امن کا قیام ہے۔ یہ دو آیات جن کی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس مضمون کو نہ صرف بیان کرتی ہیں بلکہ درجہ کمال تک پہنچاتی ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں ہم خدا کی طرف بلا رہے ہیں۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (النحل:126) کے ارشاد میں اللہ نے فرمایا ہے اپنے رب کے رستے کی طرف بلاؤ ہم خدا کی طرف بلا رہے ہیں۔مگر کیسے بلانا ہے، کیا مقاصد ہیں،ان کے اوپر روشنی ڈالنے والی یہ آیت ہے۔وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ یہ تو ممکن نہیں کہ اللہ سلامتی کی طرف بلا رہا ہو اور آپ اللہ کی طرف بلا رہے ہوں اور اس کا نتیجہ جنگ ہو، آپ اللہ کی طرف بلا رہے ہوں اور اس کا نتیجہ فساد ہو اور سلامتی کے برعکس ہو۔تو اصل بلانا خدا کا بلانا ہے۔ وہی داعی الی اللہ ہے جو خدا کی آواز کے مطابق بلاتا ہے، جس طرف خدا بلا رہا ہے اسی طرف وہ بھی بلا رہا ہو اس لئے اس دعوت الی اللہ کی تشریح یہ ہے کہ تم تو اللہ کی طرف بلا رہے ہو مگر یاد رکھنا کہ تمہارا بلاوا سلامتی کی طرف ہونا چاہئے کیونکہ خدا کا بلاوا سلامتی کی طرف ہے۔تو کیسے خدا کی طرف بلاؤ گے جب بلاؤ گے فساد کے رنگ میں اور فساد پیدا کرتے ہوئے اور ظلم کے ساتھ اور سفا کی کے ساتھ،تو خدا کی آواز اور ہو گی تمہاری آواز اور ہو گی۔ خدا ایک اور طرف بلا رہا ہو گا،تم ایک اور طرف بلا رہے ہو گے تو یہ دونوں باتوں میں انطباق نہیں ہوتا۔

پس یہ آیت بہت ہی اہم ہے اس نقطہ نگاہ سے کہ خدا کی طرف بلانا کس کو کہتے ہیں اور اس کے مقاصد کیا ہیں اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے ساتھ کیا سلوک فرماتا ہے۔ پہلے تو فرمایا وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ اللہ تو امن کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ اگر ساری دنیا دعوت الی اللہ کے نتیجے میں دعوت الی اللہ کو قبول کر لے تو مراد یہ ہو گی کہ تمام دنیا دارالسلام بن جائے، ساری دنیا امن کا گھر بن جائے۔ پس دیکھو دنیا میں کتنے دعاوی کرنے والے ہیں کہ ہم قیام امن کی

خاطر مہمات جاری کرتے ہیں، قیام امن کی خاطر لڑائیاں کرتے ہیں قیام امن کی خاطر ہم نے یہ بڑے بڑے اہم فیصلے کئے ہیں جو غریب قوموں پر زبردستی ٹھونسیں گے۔ یہ سارے دعاوی جھوٹ پر مبنی ہیں کیونکہ ان دعاوی کے بعد ہم نے دنیا میں امن بڑھتا تو کبھی نہیں دیکھا فساد پھیلتے ضرور دیکھے ہیں۔ بدامنی پھیلتی ہے ہر جگہ ظلم وسفا کی کا دور دورہ ہوتا ہے۔ پس جو مقصد اپنی ذات سے متصادم ہو جائے اس کے اندر ایک اندرونی تضاد ہو وہ مقصد یقیناً جھوٹا ہے اور بے کار ہے اور اس سے کوئی بھی فائدہ بنی نوع انسان کو نہیں پہنچ سکتا۔

پس داعیین الی اللہ کی ہدایت کے لئے میں نے یہ آیت چنی ہے۔ میں آپ کو اب سمجھانا چاہتا ہوں کہ اس میں اور کیا کیا مضامین شامل ہیں۔ پہلی بات تو وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ اس کو بھول کر آپ نے کوئی پیغام نہیں پہنچانا اور سلامتی کی طرف کیسے بلا سکتے ہیں اگر آپ کو سلامتی نصیب نہ ہو۔ پس یہ دوسرا پہلو ہے جو بہت ہی اہم ہے۔ اللہ کا نام سلام ہے اس لئے جب آپ خدا کی طرف بلاتے ہیں تو یہ آیت بتا رہی ہے کہ دار السلام کی طرف بلا رہے ہیں اور اللہ کا نام بھی سلام ہے۔ پس آپ میں اگر سلام نہ ہو تو آپ سلام کی طرف بلا ہی نہیں سکتے اور امر واقعہ یہ ہے کہ ہر انسان اگر اپنی فطرت، اپنی طبیعت، اپنے مزاج کا جائزہ لے تو اسے خوب اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کی شخصیت کے کون کون سے پہلو سلام سے خالی ہیں۔ ان میں بدامنی ہے، ان میں بے چینی اور بے قراری ہے اور تضادات کے نتیجہ میں یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ پس دار السلام کی طرف بلایا جا ہی نہیں سکتا جب تک کہ بلانے والی شخصیت اس بات کا جہاد نہ کرے کہ اس کے اندر سلام پیدا ہونا شروع ہو جائے اور اس کا گھر دار السلام ہو جائے کیونکہ اللہ تو دار السلام کی طرف بلاتا ہے۔ اگر بلانے والا دار السلام اپنے اندر رکھتا ہی نہ ہو تو وہ دار السلام کی طرف بلانے کا مجاز نہیں۔ اگر مجاز ہے یعنی خدا نے فرمایا ہے کہ بلاؤ تو بلائے گا تو سہی مگر بے کار بلائے گا اس کا نتیجہ کوئی نہیں نکل سکتا۔

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ فرمایا، بلاتا تو ہے مگر زبردستی نہیں بلاتا اور پہچانتا ہے کہ کون اس لائق ہیں کہ وہ اس گھر کی طرف لے جائے جائیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ مَنْ يَّشَآءُ فرماتا ہے تو یہ مراد نہیں ہے کہ ایسا فیصلہ کرتا ہے جو جبری فیصلہ ہے جیسے انسان جو چاہے کرے۔ جب یہ آپ کہتے ہیں کہ انسان جو چاہے کرے تو ہمیشہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک

جابر ہے اس کی مرضی ہے وہ مادر پدر آزاد ہے جو اس کے من میں آئے کر گزرے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو پوچھنے والا تو کوئی نہیں مگر اللہ تعالیٰ خود ان صفات حسنہ کے انتہائی مقام پر فائز ہے جس سے آگے صفات حسنہ ہو ہی نہیں سکتیں اور اس کی صفات حسنہ اس پر نگران، خدا کی صفات حسنہ خود نگران ہیں یعنی اس بات کی ضامن ہیں کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جو صفات حسنہ کو گزند پہنچا سکے کیونکہ جہاں خدا کی ایک صفت نے اپنی جلوہ گری میں دوسری صفت میں نقص ڈالا وہاں خدا، خدا نہ رہا۔ پس یہ کامل عدل اور کامل توازن حسن کامل پیدا کرتا ہے۔

پس اس پہلو سے اللہ تعالیٰ جب یہ فرماتا ہے کہ جس کو چاہتا ہے بلاتا ہے مراد ہرگز یہ نہیں کہ جبری فیصلہ کرتا ہے اقتداری فیصلہ کرتا ہے اور یہ دیکھتا ہی نہیں کہ وہ اس کے اہل ہے بھی کہ نہیں۔ يَّشَآءُ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیسا کہ خوب کھول کر بیان فرمایا ہے لفظ يَّشَآءُ میں اچھی بات ہونا لازم ہے۔ چنانچہ براہین احمدیہ میں بھی آپ نے اس مضمون کو خوب تفصیل سے کھولا اور خصوصاً آریوں کے ساتھ بحث اور گفتگو اور عیسائیوں کے ساتھ بحث اور گفتگو میں اس نکتے کو کھولا ہے کہ تم جو یہ سمجھتے ہو کہ يَّشَآءُ کا مطلب یہ ہے کہ جبراً کسی کو کچھ کہتا ہے یا فیصلہ کرتے وقت بے دلیل فیصلہ کرتا ہے یہ بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے۔ يَّشَآءُ میں چاہنا ہے اور اچھی چیز، بری چیز چاہی نہیں جاسکتی۔ ایک منصف مزاج ناانصافی چاہ ہی نہیں سکتا۔ ایک محبت کرنے والا نفرت چاہ ہی نہیں سکتا۔ تو جب یہ کہا جائے ''اللہ چاہتا ہے'' تو لازم ہے کہ وہ چاہنا مبنی بر عدل ہے، مبنی بر حسن ہے اور ایسا چاہنا ہے کہ اس کے اندر کسی قسم کے ظلم کا کوئی شائبہ تک بھی موجود نہیں۔ پس ان معنوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ دار السلام کی طرف بلاتا ہے مگر سب نہیں آئیں گے۔ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اس کو ہدایت دے گا جس کے متعلق وہ یہ فیصلہ فرماتا ہے کہ وہ اس لائق ہے کہ اسے ہدایت دی جائے اور جس کے لئے خدا کی طرف سے بلانے میں ایک چاہت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب يَّشَآءُ کے لفظ میں ایک چاہت کا مضمون بھی ہے۔ آپ جو چیز چاہتے ہیں اس کی طلب کرتے ہیں، اس کی جستجو کرتے ہیں۔ اگر بے اختیار ہوں تو وہی طلب ایک بھڑکی میں تبدیل ہو جاتی ہے ایک آگ سی سینے میں جل جاتی ہے کہ میں چاہتا ہوں اس کو مگر میرے اختیار میں نہیں کہ میں اسے بلالوں اور اللہ کے اختیار میں ہے۔

تو ایک اور بھی بہت خوب صورت مضمون مَنۡ یَّشَآءُ میں یہ موجود ہے کہ بلاتا سب کو ہے مگر جو اس کو پیارے لگتے ہیں جن کے اندر یہ خوب صورتی، اس حسن کا مادہ پایا جاتا ہے کہ وہ خدا کی طرف آ سکیں تو پھر ان کے لئے اللہ کے دل میں ایک چاہت پیدا ہو جاتی ہے یعنی لفظ مَنۡ سے مراد وہ دل نہیں جو انسان کا دل ہے مگر ایک معنوی طور پر ایک چیز دل کہلاتی ہے جو ارادے کا مرکز ہے یا چاہت کا مرکز ہے تو ان معنوں میں اللہ کے دل میں بھی ایسے شخص کے لئے ایک چاہت پیدا ہو جاتی ہے اور جب خدا کے دل میں چاہت پیدا ہو تو وہ آتا ہی آتا ہے اس کے لئے نہ آنا ممکن ہی نہیں رہتا۔ پس دیکھو یہاں تلوار کا کون سا موقع ہے؟ کہیں جبر کی کون سی گنجائش باقی ہے؟

دنیا والے تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اندر بھی جب جذب پیدا ہو جائے تو ایسا جذب بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ دوسرے سے ''بن آئے نہ بنے'' مگر وہ جذب اگر پیدا ہو جائے تو پھر اگلے کے لئے بے اختیاری ہو جاتی ہے۔ تو اللہ کے اندر جب کسی کی چاہت پیدا ہو جائے، جب جذب پیدا ہو جائے تو پھر وہ آئے گا اور ضرور آئے گا۔ پس خدا کے بندے جو خدا کی طرف بلاتے ہیں ان کے لئے اس میں بہت ہدایت کے سامان ہیں۔ اس آیت کے اسی ٹکڑے میں عظیم مضامین بیان ہوئے ہیں کہ تم جن کو بلاتے ہو یاد رکھو ان کے حسن پر نگاہ رکھو اور کوشش یہ کرو کہ ان کے اندر جو بہترین مادے فطرت میں موجود ہیں ان کو اجاگر کرو ان کو اٹھاؤ اور باہر لاؤ ان کو جو دبے ہوئے ہیں اور مخفی ہیں۔ جس طرح ایک آگ کا متلاشی راکھ کرید کر آگ کے چنگارے ڈھونڈتا ہے ہر انسان میں کچھ خوبیاں مخفی ہیں کچھ مدفون ہیں ان پر نظر رکھو اور ان سے کام لو۔ جب وہ چمک اٹھیں گی جب ان میں جس طرح شعلے میں، آگ کے چنگارے میں یا جلتے ہوئے کوئلے میں جو چنگارا تو کہلاتا ہے مگر وہ ابھی بھڑکا نہیں ہے اس میں چنگاریاں اس سے اٹھنے لگیں اور اپنے گرد کو جلانے یا روشن کرنے کی اس میں صلاحیت پیدا ہو جائے تو پھر وہ دیدہ زیب ہو جاتا ہے وہ نظر کو کھینچنے لگتا ہے تو اسی طرح مومن کے دل میں بھی کچھ نیکیاں دبی ہوتی ہیں جب وہ اٹھتی ہیں تو پھر اللہ کی توجہ ان کی طرف پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ ایسا نور تھا جو ویسے ہی بھڑک اٹھنے کو تیار تھا۔ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ (النور: 36) آگ اسے چھوئے نہ چھوئے اس سے قطع نظر اس کی ذات میں شعلہ بننا اور چمک اٹھنا اور ماحول کو روشن کر دینا اس طرح شامل تھا کہ فطرتاً اس میں یہ مادہ پایا جاتا

تھا اس نے ہونا ہی تھا یہ، اس پر آسمان سے اللہ تعالیٰ کے نور کا شعلہ اترا ہے اور نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ وہ نور پر نور بن گیا۔ تو اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو چاہا تو بے مقصد تو نہ چاہا، بے وجہ تو نہیں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اختیار فرمایا اور فضیلت بخشی۔ نور کا آغاز آپؐ کی ذات میں ہے وہاں وہ چمکا ہے وہاں سے وہ اٹھ کر دنیا کو روشن کرنے پر آمادہ ہوا تھا تب آسمان سے وہ شعلہ نور اترا ہے جس نے اپنے ساتھ اس کو چمٹا لیا اور ایک خدا اور بندے کا جس حد تک بھی اتصال ممکن ہے وہ اتصال ہمیں آنحضرت ﷺ کے نور کا خدا کے نور کے ساتھ ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

تو یہی مضمون ہے جو ہر بندے پر کسی نہ کسی حد تک اس کی توفیق کے مطابق جاری ہوتا ہے اور یَّشَآءُ کا مطلب سمجھ آ جاتا ہے۔ اللہ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو چنا، جس کو چاہتا چن سکتا تھا مگر اس کے چاہنے میں ایک حسن ہے اس بات کو لوگ بھول جاتے ہیں اور وہ بد چیز کو چاہ ہی نہیں سکتا۔ جس کو سب سے اچھا چاہا اس میں سب سے اچھا ہونے کی صلاحیتیں موجود تھیں اور وہ سب سے اچھا بننے کی کوشش کر رہا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے جیسا وہ تھا ویسا ہی اس سے سلوک فرمایا۔ پس تقدیر اور تدبیر کا جو سنگم ہے وہ اس طرح پیدا ہوتا ہے۔ بندے کی تدبیر کے مطابق خدا کی تقدیر اترتی ہے اور یہ دونوں مل کر پھر تقدیر ہی بن جاتے ہیں پھر تدبیر جدا نہیں رہتی۔ تو اس مضمون کو میں بیان کر رہا ہوں۔ بہت ہی اعلیٰ شان کے انسانوں میں تو ہمیں دکھائی دینے لگتا ہے مگر عام انسانوں میں یہ دکھائی نہیں دیتا جس کی وجہ سے ہم سے کوتاہی ہو جاتی ہے اور ہماری کوتاہی کے نتیجے میں ہماری دعوت الی اللہ کی کوششیں ضائع چلی جاتی ہیں۔

پس پہلی نصیحت آپ کو یہ ہے کہ جن کو آپ خدا کے رستے کی طرف بلاتے ہیں ان میں خوبیوں کی تلاش کریں بلکہ ان کو چاہیں جو اچھے ہیں جن کی خوبیاں دکھائی دے رہی ہیں۔ کج بحثوں اور ضدی لوگوں سے یا بداخلاق لوگوں سے کئی داعی الی اللہ سر ٹکراتے رہتے ہیں، ساری عمران کی یہ سر ٹکراتے گزر جاتی ہے اپنا سر پھوڑتے ہیں اور اس کے سر میں کچھ داخل نہیں کر سکتے اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی سنت کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ پس اس مضمون کو اور آگے بڑھائیں اور پھیلائیں تو پھر یہ حکمت عملی ہمارے سامنے آئے گی کہ تمہیں لازماً حسن کی تلاش کرنی ہے تا کہ اسے چمکاؤ، اسے اور زیادہ کر دو اور ایسا کر دو کہ اللہ کی پیار کی نظر اس پر پڑنے لگے۔ جب خدا کی نظر اس پر پڑے گی تو پھر تم ایک طرف ہو جاؤ اس نے آنا ہی آنا ہے۔ اور

بلاتے تو تم ہو مگر وہ لبیک کہے گا خدا کی آواز پر اور رسولؐ کی آواز پر نہ کہ تمہاری آواز پر۔ تو داعی الی اللہ کا یہ غرور بھی توڑ دیا کہ ہم نے بلایا تھا اس لئے وہ احمدی ہو گیا، ہم نے دعوت دی تھی اس لئے اس نے حق کو قبول کیا۔ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (آل عمران : 173) وہ استجابت کرتے ہیں یا کی تو اللہ اور رسولؐ کے لئے کی کیونکہ رسولِ خدا کی صفات کا مظہر بنا ہوا تھا۔

تو اس لئے دعوت الی اللہ والے کے لئے ان آیات میں بہت ہی عظیم حکمتوں کے سمندر موجزن ہیں۔ اگر آپ ان کی تہہ میں اتر کر دیکھیں تو پتا چلے گا کہ حکمتوں کے سمندر ہیں جو قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی آیات میں جو کوزے سے بھی چھوٹی ہیں ان میں آپ کو بھرے ہوئے اور موجیں مارتے ہوئے دکھائی دینے لگیں گے۔ تو پہلی بات تو یہ یاد رکھیں کہ آپ نے حسن کی تلاش کرنی ہے اور حسن ہر انسان میں موجود ہوتا ہے لیکن بعضوں میں زیادہ بعضوں میں کم۔ تو حسن کا متلاشی پہلے تو زیادہ حسن کی طرف جایا کرتا ہے نہ کہ کم حسن کی طرف، کم حسن کی طرف تو تب جاتا ہے جب زیادہ حسن ملے نہ۔ اگر سونے کی ڈلیاں ریت پر بکھری پڑی ہوں تو ریت کے اندر جو ریت کے ذرّوں کی طرح سونا ملا ہوا ہوتا ہے اس کے کھوج میں وہ وقت ضائع نہیں کرے گا پہلے وہ ڈلیوں کو چنے گا جب ڈلیاں ختم ہو جائیں پھر ریت کی باری آتی ہے پھر ان باریک ذرّوں کی تلاش ہوتی ہے پھر اس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے گڑھے کھودنے پڑتے ہیں۔ ان میں پانی ڈال کر یا نہروں کے پانی کا رخ اس طرف پھیر کر ان میں وہ ریت کو ڈالتے اور بار بار کھنگالتے ہیں یہاں تک کہ سونا الگ اور ریت الگ ہو جائے، محنت پھر بھی وہ کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ چونکہ تھوڑا سونا ہے نسبتاً زیادہ محنت کرنی پڑے گی اس لئے چھوڑ ہی دو۔ تو آپ نے چھوڑنا تو ہے نہیں، آپ کو چھوڑنے کا حکم ہی نہیں ہے۔ حکم یہ ہے کہ حسن کی تلاش کرو ایسا حسن جس پر اللہ کی نظر پڑنے لگے اور اس مضمون کے لئے اگلی آیت اس مضمون کو جیسا کہ مزید بڑھائے گی، اس مضمون کے لئے نہیں اس مضمون کو سمجھنے کے لئے اگلی آیت یا اس آیت کا اگلا ٹکڑا ہے وہ اس کو خوب روشن کر دے گا جب ہم وہاں تک پہنچیں گے، لیکن نصیحت کے طور پر میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ پہلے خدا کے اچھے صاف ستھرے بندوں کی تلاش کریں وہاں سے دعوت الی اللہ شروع کریں تھوڑے وقت میں آپ کو زیادہ پھل ملے گا اور ایسے سعید فطرت بھی بندے ہوتے ہیں جن کو اگر آپ نہ بھی کہیں تو اللہ ویسے ہی بلا لاتا ہے چنانچہ وحی کے ذریعے، کشوف کے ذریعے، الہامات کے ذریعے، ایسے واقعات کے نتیجے میں جو بظاہر اتفاقات ہوتے ہیں مگر

جب ان پر آپ نظر ڈالتے ہیں تو اتفاق نہیں بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک تقدیر جاری ہو رہی ہوتی ہے اس لئے وہ اتفاق نہیں کہلا سکتے۔

چنانچہ خدا کے بہت سے ایسے نیک بندے جن تک پیغام پہنچا ہے ان کے حالات جب مجھ تک پہنچے ہیں تو ایک نہیں بے شمار ایسے شواہد دکھائی دیتے ہیں ایسے گواہ مہیا ہو جاتے ہیں جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں اس کے حق میں گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کی نظر ان پر پڑی تھی تو پھر حالات کو اس کے مطابق اس کو حاصل کرنے کے لئے ساز گار فرما دیا گیا۔ چلتے چلتے بظاہر ایک حادثے کے نتیجے میں اس کا رخ بدل جاتا ہے، بظاہر اتفاقاً ایک احمدی کے دروازے پر دستک دیتا ہے بظاہر اتفاقاً اسے اندر بلا لیا جاتا ہے، بظاہر اتفاقاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصویر وہاں لٹکی دکھائی دیتی ہے اور بظاہر اتفاقاً اسے پہلے سے ہی خواب آئی ہوئی ہے کہ یہ وجود ہے جو مجھے بلا رہا ہے۔ تو سب جگہ کہنے والا کہے گا اتفاقاً، اتفاقاً، اتفاقاً، اتفاقاً'' لیکن جو اس مضمون کو سمجھتا ہے وہ کہے گا بظاہر اتفاقاً۔ دیکھنے والا اتفاقاً بھی کہہ سکتا ہے مگر اتفاق کے سلسلے کو اتفاقاً نہیں کہہ سکتا۔ ہر چیز اتفاقاً ہو سکتی ہے، اتفاقاً اس نے کہیں تو جانا تھا رستہ بھولنا تھا تو کسی گلی میں تو نکلنا تھا، اتفاقاً کسی کا دروازہ تو کھٹکھٹانا تھا مگر اگر ہر اتفاق ایک خاص رخ کی طرف آگے بڑھ رہا ہو، اگر وہ گلی احمدی کی گلی نکلے، اگر وہ دروازہ احمدی کا دروازہ نکلے، وہ احمدی موجود ہو اور ایسا حسن خلق رکھتا ہو کہ دروازہ کھٹکھٹانے والے کو اندر آنے کی دعوت دے اور اس کی خاطر مدارات کرے اور وہاں تصویر لٹکی ہو جو اتفاقاً بھی ہو سکتی تھی مگر اسی کمرے میں بٹھائے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصویر ہو اور پھر خواب آئی ہو تو اتفاقاً اب بتائیں کون پاگل ہے جو ان سب باتوں کو اکٹھا اتفاق کہے گا؟ تو ہر اتفاق میں تنہائی پائی جاتی ہے۔ جہاں دو اتفاق اکٹھے ہوں وہاں اتفاق کی بجائے کسی تجویز کا مضمون ابھرتا ہے کہ مجوزہ بات ہے۔ کوئی تین ہو جائیں تو اور بھی زیادہ اس بات کا امکان شروع ہو جاتا ہے کہ سوچی سمجھی تدبیر ہے اور جب اس سے زیادہ ہو جائیں تو پھر تو اتفاق کہنا ہی حد سے زیادہ بے وقوفی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بلانا ہے اور اللہ تعالیٰ ویسے ہی نیک بندوں کا رخ اس طرح پھیر رہا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

؎ آ رہا ہے اس طرف احرار یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مردوں کی ناگہ زندہ وار (درثمین اُردو: 130)

تو خدا کی تقدیر یہ فیصلے کرتی ہے کہ کب موسم آیا ہے پھل کے پکنے کا، کب نیک روحوں کو سمیٹنے کی کوشش ہونی چاہئے، کب خدا کی طرف سے آسمان سے ایسے نشان اتریں کہ نیک روحیں ان نشانات کو دیکھ کر خدا کے رستے کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ سب وہ تقدیر کے پہلو ہیں جو ہمیں دکھائی نہیں دے رہے مگر اللہ کی ہر بات سوچی سمجھی ایک تدبیر کے مطابق رونما ہوتی ہے۔

پس اس دور میں اللہ کو حسن کی تلاش ہے اور وہ آپ کی کوشش کے بغیر بھی اکٹھے کر کر کے لا رہا ہے۔ پس جو آپ کی کوشش ہے اس کو جب پھل لگتے ہیں تو دراصل یہ بھی خدا ہی کی تدبیر کا ایک حصہ ہے اور خدا کی تدبیر کو تقدیر بھی کہتے ہیں۔ اللہ اس کو تدبیر بھی کہتا ہے قرآن کریم میں۔ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ (یونس: 32) وہ تقدیروں کے فیصلے، امر یہاں تقدیر ہے، اللہ تدبیر کے ذریعے کرتا ہے۔ تو تقدیر سے بالا ایک تدبیر ہے جو خدا کی تدبیر ہے۔ تو اس پہلو سے خدا کی تدبیر نے جو تقدیر ہم پر کھول دی ہے وہ تمام دنیا کی سعید روحوں کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنے کی تقدیر ہے۔ اس کے لئے خدا تعالیٰ نے جو ہمیں طریق سمجھائے ہیں ان میں سے یہ ایک طریق ہے جو میں آپ کو سمجھا رہا ہوں اچھے لوگوں کی تلاش کریں اللہ کو ان کی ضرورت ہے اور جن میں کم حسن ہے ان میں حسن پیدا کریں کیونکہ جو نسبتاً کم حسن رکھتے ہیں ان کو حاصل کرنے کے لئے محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے تو آپ کا فرض ہے کہ پھر حسن پیدا کریں۔ اگر آپ حسن نہیں پیدا کریں گے تو آپ کے ہاتھ وہ پھل نہیں لگیں گے جن کی آپ کو حرص ہے اور حرص بھی بے جا ہے کیونکہ گندوں کو شامل کرنا اور نام کے طور پر تعداد بڑھانا یہ تو دعوت الی اللہ کا مقصد ہی نہیں ہے۔ دعوت الی اللہ کے نتیجے میں یہ تعداد بڑھتی ہے تو نیکی کو تقویت دینے کی خاطر بڑھتی ہے اور اس پہلو سے تعداد کا بڑھنا مفید ہے۔ مگر گند اکٹھا کر لیں، بد اکٹھے کر لیں تو یہ دعوت الی اللہ کے مقصد کے بالکل منافی مقصد ہے بلکہ جو کچھ دعوت الی اللہ ہوئی ہے اس کو نقصان پہنچانے والا مقصد ہے۔ تو آپ یاد رکھیں آپ نے پہلا کام اچھوں کی تلاش، دوسرا کام اچھی باتیں تلاش کر کے ان کو ابھارنا اور ان کے ذریعے حسن کو بڑھانا ہے اور یہ جو کام ہے اس کے لئے بھی حکمت چاہئے تبھی خدا تعالیٰ ہمیشہ دعوت کے مضمون کے ساتھ حکمت کا مضمون باندھتا ہے۔

اب ایک شخص کی خوبی کو پہچان لیں اور اس کا ذکر اس سے کریں تو خواہ وہ کیسا ہی بدہو اس کا دل دراصل یہی چاہتا ہے کہ میں اچھا ہوں اور جب کوئی شخص اس کی کسی اچھی بات پر نظر ڈالے تو وہ

بہت خوش ہوتا ہے خواہ سر سے پاؤں تک بدیوں سے وہ داغ دار ہو اس کے اندر کوئی نہ کوئی خوبی ہوتی ہے۔ آپ میں اگر پہچان ہے، اگر عرفان ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کسی کی خوبی کو پہچان کر اس پر کام کریں، نہ کہ اس کی بدیوں سے بات شروع کریں۔ بدیوں پر غلبہ کے لئے کوئی وہاں Foot Hold ہونا ضروری ہے۔ جب فوجیں کسی دوسرے ملک پر حملہ کرتی ہیں تو اس کو فتح کرنے کے لئے پہلے وہاں ایک چھوٹی سی جگہ تجویز کرتے ہیں کہ یہاں ہم اتریں، یہاں اپنا وہ قدم جمائیں جس قدم کے جمانے کے بعد پھر ہم اردگرد کام کر سکتے ہیں۔ تو یہ بھی بیہودہ طریق ہے کہ پہلے بدیوں پر ہی حملہ کر دو۔ قدم جمانے کے لئے اپنے مزاج کی چیز پر قدم جمایا جاتا ہے۔ جو سرزمین قبول کر سکے کسی فوجی یلغار کو اسی کو چُنا جاتا ہے۔ پس حکمت عملی کا تقاضا یہ ہوتا ہے اور ہمیشہ یہی ہوتا ہے یہاں تک کہ ابھی زائر میں جو انگلستان کا یہاں سے فوجی وفد روانہ ہونے والا تھا اس کے کمانڈر نے اپنے بیان میں یہ بات بھی داخل کی۔ ان سے پوچھا کسی ٹیلی ویژن کے ایک سوال کرنے والے نے کہ آپ کیسے کام کریں گے۔ اس نے کہا سب سے پہلے تو ہم یہ دیکھیں گے کہ وہاں قدم جمانے کے لئے کون سی جگہ موزوں ہے جب تک ہمیں وہ جگہ نہ مل جائے ہم کامیاب نہیں ہو سکتے تو جائزہ لے کر اس جگہ کو ڈھونڈیں گے پھر وہاں قدم جمائیں گے پھر اردگرد کا کام آسان ہو جائے گا۔ تو کسی انسان کو دعوت دے کر بلانے سے پہلے اس کے دل میں وہ جگہ تو ڈھونڈیں جس میں آپ کا قدم صدق، آپ کی سچائی کا قدم مضبوطی کے ساتھ گڑ جائے اور وہ خوبیوں کی جگہ پر ہوگا۔ یہ ایسا ہونا صرف خوبی کی جگہ پر ممکن ہوگا۔ یہ نہیں کہ ہر اس کی عادت کے ساتھ اپنا تعلق باندھنا، اگر اکثر بد ہے تو آپ کو بد ہوئے بغیر اس سے تعلق قائم ہو ہی نہیں سکتا۔

پس خوبی کی تلاش کرنا اور اس سے تعلق باندھنا ضروری ہے پھر ماحول کو رفتہ رفتہ خوبیوں میں تبدیل کرنے کا کام ممکن ہے اور وہ شخص جس کے ساتھ یہ تعلق قائم ہو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ ضرور آپ کی نیکی سے پہلے سے زیادہ مغلوب ہوتا چلا جاتا ہے اور متاثر ہوتا چلا جاتا ہے۔ بچوں کی تربیت میں بھی یہی حساب ہے کسی بچے کو مائیں ڈانٹ ڈانٹ کر ٹھیک کرنے کی جتنی مرضی کوشش کر لیں کبھی بھی نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ بغاوت پیدا ہوتی جاتی ہے ضد ہوتی چلی جاتی ہے۔ میں جب دورے کرتا ہوں تو بسا اوقات مائیں ایسے بچوں کو لے کر آتی ہیں کہتی ہیں ہماری تو بات ہی نہیں مانتا،

یہ تو سرکش ہی ہوتا چلا جارہا ہے اور جب وہ کہہ رہی ہوتی ہیں میں اس کے بچے کی آنکھوں میں غیظ وغضب دیکھ رہا ہوتا ہوں اور بھی زیادہ متنفر ہورہا ہوتا ہے ماں باپ سے کہ ہمیں تو یہ ملانے کے لئے لائے تھے کہ ٹیلی ویژن پہ ہم جس کو دیکھا کرتے تھے اس سے ملاقات ہوگی اور وہ ہمیں چاکلیٹ بھی دے گا تو اس کو تو ہمارا دشمن بنا رہے ہیں یہ۔ تو وہ پہلے سے زیادہ متنفر ہو جاتے ہیں۔ پھر میں ان کو آگے بلاتا ہوں پیار سے اور کافی ان میں غصہ آ چکا ہوتا ہے اس وقت تک، پیار کر کے، تھپکا کر، آہستہ آہستہ باتیں کر کے ان کا خوف دور کرتا ہوں۔ کہتا ہوں ماں باپ کی بات نہ سنو، تم تو اچھے ہو، اندر سے تم اچھے ہونا آخر۔ کہتے ہیں ہاں ہم اچھے ہیں تو جب وہ اپنی اچھائی تسلیم کر لیتے ہیں تو پھر آہستہ آہستہ بعض دفعہ ماں باپ بھی بتانے لگ جاتے ہیں کہ ہاں اس میں یہ بات تو ہے۔ تو میں نے کہا جب یہ بات ہے تو کیوں آپ نے اس کو بد بنا کر پیش کیا۔ پھر اس سے باتیں ہوتی ہیں رفتہ رفتہ، بلا استثناء آج تک میں نے کبھی اس حکمت عملی کو جو خدا کی سکھائی، قرآن کی حکمت عملی ہے نا کام ہوتے نہیں دیکھا۔ وہ اپنی خوبیوں کو جب بیان ہوتا دیکھتا ہے اور خوبی کے حوالے سے میں اس سے وعدے لیتا ہوں کہ تم نے اب یہ کام بھی نہیں کرنا وہ بھی نہیں کرنا تو وعدے کرتا ہے اور اگلی ملاقات میں یا بعض دفعہ خطوں کے ذریعے ماں باپ شکریہ ادا کرتے ہیں کہ واقعۃً تبدیل ہو گیا ہے اور پھر وہ مستقل تبدیلی رہتی ہے۔

ایسے بچے بھی جن کو سکول کے اساتذہ تبدیل نہیں کر سکے اور ماں باپ کو شکایتیں کرتے تھے کہ شاید یہ پڑھنے کے قابل ہی نہ سمجھا جائے اس میں یہ برائیاں ہیں جب ان سے اس طریق پر بات کی جو خوب صورتی کی تلاش اور خوب صورتی پر عمل درآمد کر کے اس کے اندر نیا حسن پیدا کرتا ہے تو اس کے بعد، یعنی ایسی مثالیں ہیں جو معین میں بیان کر رہا ہوں کوئی فرضی باتیں نہیں کر رہا، ان کے ماں باپ نے بتایا کہ اساتذہ نے تعریف کی ہے اس کی اب کہ اس بچے میں تو انقلاب آ گیا ہے۔ تو آپ نے جو باتیں بچے میں انقلاب کرنے کے لئے کرنی ہیں وہ ساری دنیا میں وہی کام آئیں گی۔ ان باتوں میں انسانی فطرت ہے جو مرکزی نقطہ ہے وہ ہر بچے، بوڑھے، جوان، مرد، عورت سب میں برابر ہوتی ہے اور یہی حکمت عملی ہے جو دنیا کو دعوت الی اللہ کی طرف بلانے میں کامیاب ہوگی۔

تو اپنے تعلقات بڑھائیں محض پیغام نہ دیں۔ گردو پیش احسان کا مضمون جاری کریں اور پھر خوبیوں پر نظر رکھتے ہوئے ان کی خوبیوں کو آگے بڑھائیں۔ جب خوبیوں میں ایک قسم کا بڑھنے کا

مادہ ازخود جاگ اٹھے گا تو آپ سمجھیں گے کہ آپ کام کر رہے ہیں، دراصل اللہ کی تقدیر کام کرتی ہے گویا Takeover کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اور پھر اسے کھینچ کر اپنی طرف لے آتا ہے۔ چنانچہ یہ آیت اس مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے یوں بیان کرتی ہے۔ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ پھر جسے اللہ تعالیٰ پسند کرنے لگتا ہے اسے صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ کی طرف لے آتا ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ میں کون مَنْ ہے۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا یہ جو فعل ہے اللہ تعالیٰ کا يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ، يَهْدِيْ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا ہے اصل میں ''ل'' کا تعلق يَهْدِيْ سے لگتا ہے اور بھی اس میں مضامین ہیں اگر وقت اجازت دے گا تو میں اس کو سمجھاؤں گا لیکن پہلی بات یاد رکھیں کہ اللہ ان کو ہدایت دیتا ہے جو اَحْسَنُوْا جو اپنی بدیوں کو دور کر کے حسن میں تبدیل کرتے ہیں۔

اَحْسَنُوْا کا جو لفظ ہے یہ بہت وسیع معنی رکھتا ہے، ایک یہ کہ وہ لوگ جو احسان کریں کسی پر ان کا اللہ مددگار بن جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ دوسروں کی بدی کو دور کر کے حسن میں تبدیل کریں۔ تیسرا یہ کہ اپنے حسن کو اور بھی زیادہ اجاگر کریں۔ پس یہ تین چیزیں بیک وقت شروع ہونی چاہئیں اور ساتھ ساتھ چلتی رہنی چاہئیں۔ پس لِلَّذِيْنَ کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہدایت ان کو دیتا ہے۔ دوسرا آیت کا یہ ٹکڑا اپنی ذات میں ایک مکمل الگ مضمون بھی رکھتا ہے اور وہ اس طرح ہو گا کہ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ وہ لوگ جو احسان کرنے والے ہیں ان کے لئے حُسْنٰی ہے یہاں الْحُسْنٰى جواب ہو جائے گا۔ لِلَّذِيْنَ کا۔ وہ لوگ جو احسان کرنے والے ہیں ان کا کیا ہے؟ ان کے لئے حُسْنٰی ہے وَزِيَادَةٌ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔

اب ''حُسْنٰی'' کیا ہوتی ہے۔ حُسْنٰی کا عام معنی تو ہے اچھی بات لیکن اہل لغت بیان کرتے ہیں کہ حُسْنٰی کسی خوبی کا درجہ کمال تک پہنچنا ہے اور اس کو Superlative Degree جو انگریزی میں کہا جاتا ہے وہی حُسْنٰی پر بھی صادق آتا ہے۔ افضل اور تفضیل کا جو صیغہ ہے، جو معنی اس میں پائے جاتے ہیں وہ حُسْنٰی لفظ میں پائے جاتے ہیں سب سے اچھی، سب سے اعلیٰ۔ تو لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا اگر آپ اَحْسَنُوْا فعل کو الگ بیان کر کے ذرا رُکیں اور پھر کہیں الْحُسْنٰى ان کے لئے حُسْنٰی ہے تو گویا آیت کا یہ ٹکڑا اپنی ذات میں مکمل آیت بن جاتی ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کو کھینچ تان کر بنانے کی ضرورت نہیں بعینہ یہی معنی اس کے اندر داخل ہے۔ پس لِلَّذِيْنَ

اَحْسَنُوا وہ لوگ جو اس کام میں مصروف ہوتے ہیں کہ دوسروں پر احسان کر رہے ہیں، دوسروں کے حسن کو بہتر بنا رہے ہیں پھر خدا کی تقدیر ان کے اندر بھی ان کے حسن کو بڑھانے لگتی ہے یعنی یہ جزأ کے طور پر ہے اور لفظ ''زِيَادَةٌ'' نے صاف بتا دیا کہ جزأ ہی مراد ہے کیونکہ خدا تعالیٰ بندے کے اعمال کی جزأ ان کے حقوق سے ہمیشہ زیادہ دیتا ہے۔

فرمایا وہ لوگ جو دعوت الی اللہ کر رہے ہیں لوگوں کو بلا رہے ہیں خدا کی طرف دارالسلام کی طرف بلا رہے ہیں کیونکہ اللہ بھی دارالسلام کی طرف بلاتا ہے ان کو جزأ کے طور پر اللہ تعالیٰ یہ توفیق بخشا ہے کہ ان کی اپنی خوبیاں بڑھ کر حُسنیٰ کا مقام حاصل کر لیتی ہیں یعنی درجہ کمال کو جا پہنچتی ہیں۔ وَ زِيَادَةٌ اور جب درجہ کمال کو پہنچ گئیں تو زِيَادَةٌ کیا ہوا۔ زِيَادَةٌ میں وہ شعلہ نور والی بات ہے جو پہلے رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بیان کر چکا ہوں۔ آنحضرت ﷺ کا حسن اس آیت میں جو آیت نور ہے اس میں ورجہ کمال تک پہنچتا ہوا دکھایا جا رہا ہے اس سے آگے وہ بڑھ نہیں سکتا بھڑک اٹھا ہے، پھر زیادہ کیسے ہوا۔ اس لئے کہ اللہ کا نور اس میں اتر آیا اور جب اللہ کا نور اتر آیا ہے تو انسانی درجہ کمال کا مقام ختم ہو گیا پھر خدا کے کمال میں سفر کا مضمون شروع ہو جاتا ہے اور وہ لامتناہی ہے۔

پس بہت ہی عظیم اجر کا دعویٰ ہے جو داعیین الی اللہ کے لئے ہے کیونکہ سارا مضمون ہی وہ ہے اور اتنا عظیم الشان دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی انتہاء نہیں، کوئی آخری اس کا کنارہ نہیں ہے۔ جو لوگ بھی خدا کی خاطر حسن پیدا کرنے کی کوشش کریں گے اور حسن کے ساتھ لوگوں پر احسان کریں گے ان کے لئے خدا وعدہ فرماتا ہے کہ ان کے حسن کو اس حسن کی صلاحیتوں کے آخری کناروں تک پہنچا دے گا جس سے بڑھ کر انسان میں حسن ہو نہیں سکتا۔ جب وہاں پہنچ گیا، اپنے درجہ کمال کو پہنچ گیا پھر اپنے حسن کا نور ان پر اتارے گا اور پھر کوئی اس کی انتہاء نہیں ہے زِيَادَةٌ ہی بس ایک لفظ ہے جو بیان کیا جا سکتا ہے کیونکہ زِيَادَةٌ میں سب سے زیادہ کی بحث نہیں چھیڑی گئی، ہو ہی نہیں سکتی تھی، ان کا نور پھر خدا کے تعلق کی بناء پر، اس سے وصل کے نتیجہ میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔

پس آپ دعوت الی اللہ کے اس اعلیٰ عرفان سے آراستہ ہو کر جو اس آیت کریمہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے پھر سفر شروع کریں ان لوگوں کی تلاش کریں جن کو خدا کی طرف بلانا ہے ان کی خوبیوں پر نظر رکھیں ان کی تلاش کریں جس طرح اللہ خوبیوں پر نظر رکھتا ہے اور تعلق جوڑتا ہے بعینہٖ یہی مضمون

ہے جو یہاں ہمارے سامنے رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ بندے اور خدا کے تعلق میں یہی معرفت کا نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کا غیر اللہ سے تعلق کیسے قائم ہوسکتا ہے۔ ہر غیر اللہ محدود ہے، ہر غیر اللہ کوئی نہ کوئی نقص رکھتا ہے، ہر انسان خواہ کتنا بھی خوب صورت دکھائی دے جب خدا کے زاویہ نظر سے اس کو دیکھیں گے اس میں نقائص دکھائی دیں گے اس میں کمزوریاں نظر آئیں گی۔ اوّل تو بندوں کے نقطہ نظر سے بھی بے شمار کمزوریاں ہیں۔ انسان کا اپنا نقطہ نظر جو ہے جہاں سے وہ اپنی ذات کو جانچتا ہے اگر وہ اچھا اور سچا ہو تو انسان اپنے اندر اتنی بدیاں پائے گا کہ اس کے ہوش و حواس گم ہو جائیں گے۔ وہی ظفر کا شعر ہے جو میں پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں ہر دفعہ اس موقع پر مجھے یاد آتا ہے چونکہ اچھا ہے اس لئے میں اس کو بار بار بیان کرنے سے تھکتا نہیں۔ بہادر شاہ ظفر نے اس نکتہ کو اردو شعر میں بہت عمدگی سے بیان کیا وہ کہتا ہے

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر

اپنے حال سے جب تک غافل تھے لوگوں کے عیب و ہنر تلاش کرتے رہے۔

پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر، تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

اپنی برائیاں دکھائی دینے لگیں تو اتنی زیادہ تھیں کہ ان کے مقابل پر کوئی بھی برا دکھائی نہیں دیا۔

اب بظاہر یہ ایک شعری مبالغہ ہے لیکن میرے نزدیک ظفر نے خواہ حقیقت کو پہچان کر کہا تھا یا شعر کو خوب صورت بنانے کے لئے کہا تھا جو بات کہہ گیا وہ بات بالکل سچی ہے کیونکہ انسان اپنی برائیاں زیادہ دیکھ سکتا ہی نہیں جتنی مرضی تلاش کرلے۔ ہر انسان نے اپنی برائیوں پر اتنے پردے ڈھانپے ہوئے ہوتے ہیں اور اتنی احتیاطیں برتی جاتی ہیں کہ اس کی برائیاں دکھائی دینا شاذ کا کام ہے۔ وہ جو بد آپ کو دکھائی دیتے ہیں بے حیا بھی ہوں تب بھی آپ کو نہیں پتا کہ جو دکھائی دے رہی ہیں برائیاں وہ تو جس طرح ایک آئس برگ کی ٹپ ہوتی ہے برف کا تودہ جو سمندر میں تیر رہا ہے ایک بٹا دس (1/10) صرف نظر آتا ہے اس کا باقی حصہ سب چھپا ہوتا ہے۔ تو برائیاں ساری کی ساری تو کسی کی پتا لگ ہی نہیں سکتیں صرف ایک ہے وجود جس کی برائیاں آپ کو پتا لگ سکتی ہیں وہ آپ کا اپنا وجود ہے اور اگر آپ دیانت داری سے اپنی برائیاں تلاش کرلیں تو ''**نگاہ میں کوئی برا نہ رہا**'' والا مضمون ضرور سچائی کے ساتھ صادق آئے گا۔

پس جب یہ حال ہے انسان کا تو اللہ کا تعلق کیسے قائم ہو جائے۔ بدوں کے ساتھ تو تعلق قائم نہیں ہوا کرتا۔ اس نکتہ کو آنحضرت ﷺ نے جس طرح سمجھایا حیرت انگیز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک ہی بات پر دل بے اختیار عاشق ہوتا ہے اچھل اچھل کر، جس طرح دودھ کے لئے بچے کا دل اچھلتا ہے اور بچے کی پکار پر ماں کا دل اچھلتا ہے اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہر بات پر طالبِ حق کا دل بے اختیار سینے میں اچھلنے لگتا ہے۔ دیکھیں کیسا نکتہ بیان فرمایا، فرمایا خدا کی مخلوق ہے، ناممکن ہے کہ وہ کلیۃً حسن سے خالی ہو کیونکہ جب خالق حسین ہے تو اس کے نقش کو چاہے جتنا مرضی آپ گندہ کر دیں کہیں نہ کہیں سے اس کا حسن ضرور جھانکے گا۔ مٹی ہوئی چیزیں بھی اپنے سابقہ حسن کی داستان خود دُہراتی ہیں۔ کھنڈروں کو دیکھیں، بڑی بڑی عمارتوں، بڑے بڑے عظیم محلات کے کھنڈرات بھی بظاہر جنوں، بھوتوں اور گیدڑوں اور بچھوؤں اور سانپوں کی آماجگاہ بن جاتے ہیں مگر جب آپ ان کا معائنہ کرتے ہیں وہ دیکھتے ہیں تو آپ کو دکھائی دیتا ہے کہ کسی زمانے میں بہت خوب صورت عمارتیں تھیں کیونکہ حسن کا نقش کلیۃً مٹ ہی نہیں سکتا۔ پس اس پہلو سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ وہ کلیۃً بد ہی ہوگی، کوئی انسان حسن سے عاری ہو گیا ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ جب بندے سے تعلق رکھتا ہے تو اس حسن کے مقام پر اپنے 'قدم صدق' کو جماتا ہے۔ وہاں اپنا سچائی کا قدم رکھتا ہے جو حسین اور ستھرا مقام ہے۔ پس جس طرح فوجیں Move کرتی ہیں فتح کرنے کے لئے ایک علاقے کو اور وہاں ایک War Head بناتی ہیں جہاں سے پھر انہوں نے آگے جنگ لڑنی ہے۔ اللہ جب یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں نے کسی بندے کے دل میں اتر آنا ہے تو اس کو پتا ہے کہ میرے بندوں کی کون کون سی خوبیاں ان میں ابھی بھی قائم ہیں۔ وہاں وہ قدم رکھتا ہے اور پھر وہاں سے وہ پھیلنا شروع ہوتا ہے اور اس کی بدیوں کو خوبیوں میں تبدیل کرنے لگتا ہے۔ تو آپ کے لئے بھی یہی حکمت عملی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی بندہ حسن سے کلیۃً عاری ہو۔ آپ کے پاس کافی گنجائش موجود ہے کہ آپ خدا کے بندوں کے حسن کو تلاش کریں، ان کی خوبیوں پر نظر رکھیں اور انکساری اس کے ساتھ یہ رکھیں کہ اپنے وجود کی بدیوں پر بھی نگاہ ڈالیں تا کہ جب آپ کسی وجود کو برا دیکھ رہے ہوں اور خوبیوں کے لئے محنت کر رہے ہوں، کوشش کر رہے ہوں کہ پتا کریں تو غلطی سے کہیں دماغ میں یہ غرور نہ سما جائے کہ آپ ہی سب سے اچھے ہیں۔

اس لئے دوسرا پہلو اس کا یہ ہے اپنے حال پر نظر رکھتے ہوئے آگے بڑھا کریں، انکساری کے ساتھ، اور پھر جو خوب صورتی ہے اس کے ساتھ جب آپ تعلق جوڑیں گے تو آپ کے ذریعہ پھر اللہ اس سے تعلق جوڑے گا کیوں کہ جو خدا کے بندے خدا کی خاطر کام کرتے ہیں اللہ ان سے بڑھ کر ان کی خاطر کام کرتا ہے ورنہ اللہ چاہتا تو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بغیر ہی ساری دنیا کی اصلاح فرما سکتا تھا!؟ مگر بندوں میں سے اس نے چن لیا یہ بھی اس کے احسانات میں سے ایک بے حد خوبصورت احسان ہے کہ مگر بندوں کو یہ اثر دیا کہ تم آپ ہی اپنے لئے کام کر رہے ہو اور تم کرو گے تو پھر میں تمہارا ساتھ دوں گا، پھر تمہاری مدد کروں گا۔ پس اس پہلو سے جب خدا کا کوئی بندہ داعی الی اللہ، اللہ کی خاطر دعوت دے گا اور محنت کرے گا اور سفر اختیار کرے گا اور کوشش کرے گا، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کی دعوت کو پھل نہ لگیں۔ اس ضمن میں آپ یاد رکھیں کہ بہت سے داعی الی اللہ جو یہ کہتے ہیں ہم کوشش تو بڑی کر رہے ہیں، ہم نے تو سب کچھ پورا کر دیا اب اللہ کے اختیار میں ہے، کچھ نہیں ہو رہا تو وہ خدا پر الزام لگاتے ہیں اور یہ دعویٰ جھوٹا ہے کہ ہم صحیح کوششیں کر رہے ہیں۔ اگر کوششیں اس اخلاص کے ساتھ ہوں جو خدا چاہتا ہے، اگر نیتیں پاک ہوں، دل پاک اور صاف ہوں، اگر اپنے اندر بھی اَحۡسَنُوۡا کا عمل جاری ہو چکا ہو یعنی دوسروں کے اوپر صرف احسان اور ان کو بہتر بنانے کا تعلق جاری نہ ہو بلکہ اپنی ذات میں بھی یہ کام جاری ہو چکا ہو تو خدا کا یہ وعدہ کیوں پورا نہیں ہو گا کہ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰى کہ جو لوگ اپنے آپ کو اچھا بنانا چاہتے ہیں، پہلے تو میں نے دوسروں کے حوالے سے بات کی تھی اب میں اس حوالہ سے آپ کو سمجھا رہا ہوں، ان کے لئے تو لازم ہے کہ اللہ ان کو حُسۡنٰى عطا کرے گا۔ وَ زِيَادَةٌ اور اور بھی زیادہ۔ زِيَادَةٌ میں ایک اور مضمون یہ ہے کہ بہت سی خوبیاں جن کا آغاز کے لحاظ سے بھی کوئی وجود ان میں نہیں تھا یعنی ان سے کام شروع ہو ہی نہیں سکتا تھا وہ نئی خوبیاں بھی ان کو عطا کرنے لگے گا۔ تو ایک زِيَادَةٌ کا وہ مفہوم تھا کہ اللہ اپنے فضل کے ساتھ اپنے حسن کا ان کے ساتھ رابطہ قائم کر لے گا۔ وہ بہت ہی دل کش مضمون ہے لیکن روز مرّہ جاری و ساری مضمون ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ جو حسن کے لئے جد و جہد کرتے ہیں، حسن کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں اگر وہ غیروں کا بڑھائیں گے خدا کی خاطر تو اللہ ان کا بڑھائے گا۔ اگر وہ اپنا حسن بڑھائیں گے تاکہ غیر، خدا کا حقیقی نمائندہ سمجھتے ہوئے اور خدا کی طرف سے آیا ہوا پہچان

کران کی آواز پر لبیک کہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہارے اندر حُسنٰی پیدا کروں گا، تمہیں بہت ہی خوب صورت بنا دوں گا یعنی وہ دراصل تمہاری کوشش سے نہیں ہوگا خدا کی خاطر کوشش کرنے کا پھل ہے کہ تمہارا حسن پہلے سے بڑھ جائے۔ وَزِيَادَةٌ ان معنوں میں ہوگا پھر کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اور بھی بہت سی خوبیاں دے گا جو تمہیں پہلے پتا ہی نہیں تھیں، جن سے تم آشنا نہیں تھے اور جو بھی شخص دعوت الی اللہ کے عمل کو اس طرح کرتا ہے وہ جانتا ہے اس کے تجربہ میں آئی ہوئی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کی خوبیاں بڑھاتا ہے۔ کئی باتوں کی طرف اس کی پہلے توجہ نہیں ہوتی جب وہ دعوت الی اللہ کے میدان میں اترتا ہے تو اس کی خوبیاں علم میں بھی بڑھ رہی ہوتی ہیں، عمل میں بھی بڑھ رہی ہوتی ہیں، اور وہ ہمیشہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔

اس کے آخر پر قرآن کریم اس نتیجہ پر اس آیت کو ختم کرتا ہے، یعنی ابھی آیت جاری ہے مگر میں نے صرف جو نتیجے کا پہلا حصہ ہے وہ آج بیان کرنے کے لئے چنا ہے۔ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ایسے لوگوں کے چہروں پر خدا کبھی سیاہی نہیں چڑھنے دے گا اور کبھی ان کو ذلیل اور ناکام نہیں ہونے دے گا۔ کتنا عظیم الشان دعویٰ ہے۔ کتنا عظیم الشان وعدہ ہے۔ حسن تو اپنی ذات کے حوالے سے اس کو پتا لگ ہی جائے گا جب بڑھے گا لیکن دشمن تو بدی کی تلاش میں رہتا ہے اور دشمن بعض دفعہ خدا کی طرف سے عطا فرمودہ حسن کو پہچانتا ہی نہیں کیونکہ اس کی غلیظ، گندی نظر صرف بدیوں کی تلاش میں ہے اور بعض دفعہ اتنی زہریلی ہو جاتی ہے کہ اس کو حسن بھی برا دکھائی دینے لگتا ہے۔ جس کے مذاق ہی بدل جائیں ان کو حسن اچھا نہیں لگتا۔ اب چند دن ہوئے ایک جگہ سے یہ اطلاع ملی کہ ہمارے بچے تو MTA میں دلچسپی نہیں لیتے اس لئے ایم۔ ٹی۔ اے کو ایسا بنائیں کہ وہ دلچسپی لینے لگیں۔ میں ان کو لکھوا رہا ہوں کہ آپ وہ ٹیلی ویژن کیوں نہیں دکھاتے جس میں ان کو دلچسپی ہے۔ ہمارے ٹیلی ویژن کو ویسے کیوں بنوا رہے ہو۔ جس میں ان کو دلچسپی ہے وہ گندگی کے پروگرام ہیں، وہ جنوں بھوتوں کے پروگرام ہیں، وہ آفتوں کے، ڈائنوں کے، بلاؤں کے پروگرام ہیں، خوفناک وجود جو آسمان سے اتر رہے ہیں، دنیا کے وجود کچھ ان کے مقابلے کر رہے ہیں، فرضی کہانیاں، جھوٹے قصے۔ آپ نے ان کے مذاق بگاڑ دیئے ہیں تو ہم کیوں اپنے ٹیلی ویژن کا مذاق بگاڑیں۔ ان کو ان میں کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ پس وہ حسن کو برا دیکھ رہے ہیں۔ جن لوگوں نے

اپنے بچوں کو اس حد تک دنیا کے گندے ذوق سے لذّت اندوز ہونے کی چھٹی دے رکھی تھی، اب ذوق بگڑ رہے ہیں اور ہمیں کہتے ہیں ہم اپنا مزاج ان کی خاطر بگاڑ دیں۔ یہ تو نہیں ہوسکتا۔ آپ کے بچوں کا جو مزاج ہے وہ آپ نے بگاڑا ہے۔ آپ کا یہ حق نہیں کہ ہمارا مزاج بھی بگاڑیں آپ اور ہم جو سچا ذوق اور سچائی کی محبت پیدا کرنا چاہتے ہیں اس لئے کہ آپ کے بچوں کو دلچسپی نہیں ہم یہ بات چھوڑ دیں۔ یہ نہیں ہوسکتا اور اگر وہ اچھی باتوں میں دلچسپی نہیں لیں گے تو آپ کی آنکھوں کے سامنے دیکھتے دیکھتے آپ کی نسلیں ضائع ہو جائیں گی کوئی ان کو سنبھال نہیں سکتا۔

اس لئے اوّل تو یہ بھی ایک متکبرانہ بات ہے کہ جی ہمارے بچے تو بڑے اونچے ہیں آپ کے ٹیلی ویژن سے۔ اونچے وونچے کوئی نہیں ہیں، بگڑے ہوئے ہیں، نیچے ہیں اور آپ ان کو اونچا اٹھائیں گے تو وہ اٹھ جائیں گے۔ کچھ دیر ساتھ بیٹھ کر بعض پروگرام دکھائیں تو ان کے اندر دلچسپی پیدا ہو جائے گی بلکہ آپ کے مزاج بگڑے ہوئے ہیں اس لئے بچوں کے بگڑے ہیں اور بچوں کے جلدی سنبھلیں گے، آپ کی نسبت زیادہ جلدی اصلاح پذیر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اکثر اگر سو فیصد نہیں تو اکثر صورتوں میں ماں باپ یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے بچوں نے تو مصیبت ڈالی ہوئی ہے اور کوئی ٹیلی ویژن دیکھنے ہی نہیں دیتے۔ ایک ماں ڈیڑھ سال کا بچہ لے کر آئی کہ یہ تو جب بھی ٹیلی ویژن آن ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ وہ ٹیلی ویژن دکھاؤ۔ بول بھی نہیں سکتا، اشارہ کرتا ہے میری طرف کہ جس میں وہ آتا ہے اور دوسرا ٹیلی ویژن دیکھیں تو رونے لگ جاتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ نے بچے پکڑ لئے ہیں اب اللہ کے فضل سے جماعت کے۔ تو اگر آپ کو وہم ہے کہ آپ ان کی تربیت کریں گے۔ اب بچے آپ کی تربیت کریں گے۔ مگر یہ باتیں جو ہیں یہ درست نہیں ہیں کہ یہ چھوٹی چیزیں ہیں۔ ہم اعلیٰ درجہ کے ملک کے اعلیٰ ٹیلی ویژن دیکھنے والے لوگ ہیں، ہمارے جیسے دکھاؤ۔ تو میں نے کہا کہ پھر تم اپنے پروگرام بناؤ اور اپنا ٹیلی ویژن بھی بنالو ساتھ ہی۔ ایسے پروگرام بناؤ گے جو سب کی اصلاح کے لئے ہوں اور سچائی پر مبنی ہوں ان میں لغو اور جھوٹی باتیں اور جھوٹے انداز نہ ہوں تو پھر ہمیں دو ہم بنا بنا کر تمہیں بھی دکھائیں گے، دنیا کو بھی دکھائیں گے لیکن بگڑے ہوئے ذوق کی ہم متابعت کبھی کسی صورت میں نہیں کر سکتے۔

پس یہ ساری وہ باتیں ہیں جن کا اس آیت کریمہ میں اشارۃً ذکر ہے مگر واضح اشارے ہیں۔ جب آپ کریدتے ہیں تو صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ

قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ داعی الی اللہ اگر خدا کی خاطر دنیا میں خوبیاں پھیلانے کا عزم لے کر اٹھے گا تو خدا اس کے چہرے کو کبھی ذلیل نہیں ہونے دے گا۔ اس کے چہرے پر کبھی سیاہی نہیں چڑھے گی اور یہ وعدہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہے۔ چنانچہ آیت کا بقیہ حصہ جنت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ پھر ان کے لئے ہمیشہ کی جنتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مضمون کو سمجھ کر اس کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ جتنا آگے بڑھائیں گے اتنا ہی خدا کی طرف سے زِيَادَةٌ عطا ہوتا چلا جائے گا۔ آمین